آپ کو کانگریس کا وظیفہ خوار بتاتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب آزادی اور تقسیم ملک کی جدوجہد زوروں پر تھی، اس وقت کچھ معاندین ومخالفین نے پنڈت جواہر لال نہرو کی جانب سے انگریزی میں ایک خط لکھ کر ایک انگریزی روزنامہ میں شائع کرایا تھا۔ اس میں پنڈت نہرو کی طرف سے یہ تحریر تھا کہ:۔ "میں ان مولویوں کو روپیہ دیتے دیتے عاجز آگیا ہوں مگر ان لوگوں کا کسی طرح پیٹ نہیں بھرتا مولوی حسین احمد کو میں تین لاکھ روپے دے چکا ہوں، اب ایک لاکھ کا اور مطالبہ کر رہے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنے روپے کا کیا کرتے ہیں"۔ اس طرح کی جعلسازیاں کر کے حضرت کو بدنام کرنے کی کوششیں کی گئیں مگر یہ چاند پر تھوکنے کے مترادف ثابت ہوئیں۔

حضرت شیخ الاسلام کی زندگی سادگی و بلند خیالی کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی۔ آپ کا لباس سادہ تھا، آپ کے رہن سہن، کھانے پینے غرض ہر کام میں سادگی تھی۔ غالباً ترکِ موالات کی تحریک کے بعد سے آپ نے ایسے کھدر کا لباس پہننا اختیار کر لیا تھا جس میں ایک تار بھی باہر کے کتے ہوئے سوت کا نہیں ہوتا تھا۔ اپنی اس روش کو آپ نے وقتِ اخیر تک نبھایا۔ آپ کی سکونت دارالعلوم کے قریب ایک کچے مکان میں تھی۔ میں جب اُدھر سے گذرتا تھا تو اس مکان کو دیکھ کر دریائے حیرت میں غرق ہو جاتا تھا لیکن بدباطن لوگ اس کی بھی تاویلیں گھڑ لیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ سب دکھاوے کی باتیں ہیں۔ لوگوں پر اثر ڈالنے کے لیے باہر سے مکان کو کچا بنا رکھا ہے ورنہ اندر کے ٹھاٹ باٹ دیکھنے کے قابل ہیں۔ ہر وقت مردانہ حصہ میں مصاحبین اور حالی موالی بھرے رہتے ہیں اور مرغن غذائیں اور مٹھائیاں اڑتی رہتی ہیں۔۔۔ آج غور کرتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے ایک اتنے بڑے انسان پر اس طرح کی تہمتیں بھی لگا سکتے ہیں، جس شخص کے دسترخوان پر کبھی ایک سالن سے زیادہ نہیں ہوا جس کے ناشتے میں باسی روٹی اور مرچ کے اچار کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیا، اُس کے بارے میں نہایت وثوق سے یہ کہا جاتا تھا کہ "ہر وقت مرغن غذائیں اور مٹھائیاں اڑتی رہتی ہیں"۔ میرے والد اکثر بتایا کرتے تھے کہ "الدنیا زور لا یحصلھا الا بالزور"۔ بیشک ان لوگوں نے دنیا اسی طرح کے مکروزور سے کمائی ہے۔

میرے علیگڑھ کے ایک ساتھی قاضی محمد عقیل نے مجھ سے بیان کیا کہ، "میں مولانا حسین احمد صاحب کے مخالف گروپ سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ دیوبند جا کر مولانا سے ملاقات کروں اور بچشمِ خود آپ کے طرزِ زندگی کا مشاہدہ کروں۔ چنانچہ میں سفر کر کے دیوبند پہنچا، لوگوں سے پوچھتا ہوا مولانا کے مکان پر گیا، یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ گھر اندر باہر سے کچا تھا۔ مردانہ حصہ میں جانے میں کوئی روک ٹوک نہیں تھی، میں بے جھجک اندر داخل ہو گیا، کھانے کا وقت تھا، مولانا اور اُنکے کئی مہمان

ایک معمولی سی چٹائی پر بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے، کھانے میں صرف روٹیاں اور ماش کی کالی دال تھی۔ میں پہنچا تو سلام کر کے کھڑا ہو گیا۔ مولانا نے نہایت خندہ پیشانی سے سلام کا جواب دیا اور بغیر یہ پوچھے ہوئے کہ کہاں سے آئے ہو اور کون ہو مجھے بھی کھانے میں شریک ہونے کے لیے کہا۔ میں نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا تو پھر مجھے بانوں سے بُنی ہوئی ایک کھری چارپائی پر جو وہاں بچھی ہوئی تھی بیٹھنے کے لیے کہا، میں بیٹھ گیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد مجھ سے گفتگو کی اور باوجودیکہ میری حیثیت ایک نوجوان طالبعلم کی تھی اور مولانا علم و حکمت کی رفعتوں پر پہنچے ہوئے اور ایک چوٹی کے سیاسی لیڈر تھے لیکن انہوں نے اس سادگی اور بے تکلفی سے باتیں کیں کہ نہ مجھے میری کم مائیگی کا احساس ہونے دیا اور نہ اپنی برتری کا ـــــ"

ایک مخالف کے اس بیان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ معاندین نے حضرت شیخ الاسلامؒ کو بدنام کرنے کے لیے کیسی کیسی غلط بیانیاں کیں اور اُن کے خلاف اس بلند آہنگی سے پروپیگنڈا کیا کہ ہمارا قومی شاعر اقبال بھی دھوکا کھا گیا اور بغیر تحقیق کیے آپ کی شان میں یہ قطعہ لکھ مارا ؎

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ
زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست

حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے ہاں مہمان کثرت سے آتے تھے، اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں کہ:-

"جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے" (مسلم شریف)

آپ مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے، لیکن کسی کام میں تکلف کو دخل نہیں ہوتا تھا۔ کھانا ہمیشہ ایک ہی ہوتا تھا۔ حضرت خود بھی مہمانوں کے ساتھ شریکِ طعام ہوتے تھے اور جو کچھ خود کھاتے وہی اوروں کو بھی کھلاتے تھے۔ خود کم کھاتے اور دوسروں کو زیادہ کھلاتے تھے۔ مہمانوں کے آرام کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ رات میں جب سب مہمان سو رہے ہوتے اُس وقت آپ ہر ایک کے پاس جا کر دیکھ لیتے کہ کسی کو کوئی تکلیف تو نہیں ہو رہی ہے۔ بعض اوقات سوئے ہوئے مہمان کا بدن دبانے لگتے۔ اس سلسلہ میں مشہور کمیونسٹ لیڈر ڈاکٹر محمد اشرف کا بیان ملاحظہ ہو:-

"ـــــ ۱۹۴۶ء میں کمیونسٹ پارٹی کو ایک اہم مسئلہ پر غور کرنا پڑا اور مجھے اس کام پر مقرر کیا گیا کہ اس کے بارے میں ایک رپورٹ پیش کروں۔ میں اس مواد کی فراہمی کے سلسلہ میں دیوبند بھی حاضر ہوا۔ محراب و منبر کے جلوے تو میں نے اس سے پہلے بھی دیکھے تھے خلوت کے مطالعہ کا موقع اب ملا۔ جنگِ عظیم کے بعد اشیاء کی گرانی، مولانا کی قلیل آمدنی، بلیک مارکیٹ کا زور،

مگر اس سے حضرت مولانا کی مہمان نوازی میں کیا فرق آسکتا تھا۔ اور جب مجھ جیسے انجان اور بے دین کو مولانا نے باصرار اپنے مکان میں ٹھہرایا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ سیاست، رشتہ داری، دوستی اور درس و تدریس کے واسطے سے مہمانوں کا کیسا ہجوم رہتا ہوگا۔ جب میں مولانا کی رہائشگاہ پر پہنچا تو مہمانوں کا قافلہ پہلے سے موجود تھا۔ چنانچہ میں نے بھی مہمانوں کے بڑے کمرے میں ایک چارپائی پر بستر لگا دیا۔

دینداروں کے معمولات سے میں یوں بھی گھبراتا ہوں مگر پہلے دو دن میرے اوپر واقعی بڑے سخت گذرے، نماز پنجگانہ تک تو خیر میں صبر کر لیتا، مگر مولانا کے ہاں تقریباً سبھی قائم اللیل تھے۔ کیفیت یہ تھی کہ عشاء کی نماز کے بعد میں بمشکل گھنٹے بھر سویا ہوں گا کہ کسی کونے سے تکبیر بالجہر بلند ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ میرے آس پاس کوئی ذکر خفی میں منہمک ہے تو کوئی تسبیح و وظیفہ میں۔ تھوڑی دیر میں یہ حضرات تہجد کے لیے اٹھ بیٹھے، پھر فجر سے پہلے اور بعد قرآن پاک کی تلاوت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اور جب دوسری رات بھی اسی کیفیت کی نذر ہوئی تو میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضور کے ساتھ رہنے سے میری عاقبت درست ہو یا نہ ہو مگر میری صحت کو خطرہ ضرور لاحق ہو چلا ہے۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور تیسرے دن سے مجھے ایک علیحدہ اور آرام دہ کمرہ مل گیا، یعنی اب میں اسی آزادی سے اپنے کمرہ میں رہتا تھا جو مجھے اپنے گھر میں حاصل تھی۔ چنانچہ میں نے مواد کی فراہمی کا وہ کام جس کے لیے میں حاضر ہوا تھا شروع کیا، اور اس سلسلے میں مجھے دیوبند کی مجاہدانہ تاریخ کے بہت سے نئے واقعات کا علم ہوا۔

دیوبند کے قیام کی غالباً چوتھی شام تھی کہ میں اپنے بستر پر دراز تھا، رات کے دس بج چکے تھے، گھومنے پھرنے کی وجہ سے تھکن کچھ زیادہ تھی، چنانچہ لیمپ گل کیا اور سونے لگا، دروازہ کھلا رہتا تھا۔ مجھے کچھ غنودگی سی تھی کہ میں نے ایک ہاتھ اپنے ٹخنے پر محسوس کیا اور پھر دونوں ہاتھوں سے کسی نے میرے پاؤں دبانا شروع کر دیے۔ میں چونکتا ہوگیا، دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا بہ نفس نفیس اس گنہگار کے پاؤں دبانے میں مصروف ہیں۔ میری بدحواسی اور شرمندگی کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں میں نے پاؤں جلد جلد سکوڑے اور بڑے ادب اور لجاجت سے حضرت کو روکا۔ مولانا نے اس پر حسرت سے فرمایا "آپ مجھے اس ثواب سے کیوں محروم کرتے ہیں، کیا میں اس قابل بھی نہیں ہوں کہ آپ جیسے مہمان کی خدمت کر سکوں"۔ مجھ پر اس ارشاد کے بعد جو کچھ گذری میرے لیے اس کا بیان کرنا مشکل ہے واقعہ یہ بھی ہے کہ میں بارہ برس بعد آج پہلی بار اس واقعہ کا انکشاف کر رہا ہوں۔ اور اگر حضرت

زندہ ہوتے تو اس راز کو فاش کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اُنکی فراخدلی اور اُنکے اخلاق کا یہ ادنیٰ نمونہ تھا۔"

حضرت خود حقہ نہیں پیتے تھے لیکن اگر کوئی حقہ کا عادی مہمان آجاتا تھا تو اس کے لیے حقہ کا خاص طور پر انتظام کر دیتے تھے، بلکہ بعض اوقات تو خود اس کی چلم بھر دیتے تھے۔

آپ کو ریل کے لمبے لمبے سفر کرنے پڑے، مگر کبھی تھرڈ کلاس سے اونچے درجہ میں سفر نہیں کیا۔ جو ادارے آپ کو مدعو کرتے تھے اُن کے منتظمین آپ کو اونچے درجہ کا کرایہ پیش کرتے مگر آپ تھرڈ کلاس کا کرایہ رکھ کر باقی پیسے واپس کر دیتے تھے۔ ایک موقع پر واپسی کے وقت منتظمین جلسہ نے آپ کو بطور رُخصتانہ سو روپے پیش کرنا چاہے۔ آپ نے یہ رقم لینے سے انکار کر دیا، اور اتنا لینا گوارا کیا جتنا آنے میں خرچ ہوا تھا۔ جب زیادہ مجبور کیا گیا اور کہا گیا کہ یہ کمیٹی کی منظوری اور خوشی سے پیش کیا جا رہا ہے۔ تو آپ نے فرمایا "کمیٹی کے کتنے ممبر ہیں"؟ جواب ملا "سات ممبر ہیں"، اس پر آپ نے دریافت کیا کہ "اس جلسہ میں جو روپیہ خرچ ہو رہا ہے وہ آپ ہی لوگوں کا ہے یا عام چندے کا ہے"؟ جواب دیا گیا کہ "یہ عام چندے کا ہے"۔ آپ نے فرمایا کہ "پھر آپ لوگوں کو اس کو اس طرح صرف کرنے کا کوئی حق نہیں ہے"۔ کمیٹی کے ممبروں نے عرض کیا کہ "پبلک نے ہم کو اختیار دیا ہے"۔ آپ نے فرمایا "پبلک نے آپ کو یہ سمجھ کر اختیار دیا ہے کہ آپ کفایت شعاری کے ساتھ واجبی خرچ کریں گے"۔ غرض آپ نے وہ رقم قبول نہیں کی۔

اس واقعہ کو سامنے رکھ کر غور کیجئے کہ ایسا محتاط شخص کانگریس سے وظیفہ لینا گوارا کر سکتا تھا؟

غرض حضرت شیخ الاسلامؒ کے محاسن اتنے زیادہ ہیں کہ ع

سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لیے

لہٰذا یہ سمجھتے ہوئے کہ ان چند اشاروں سے ہی آپ کے اخلاق اور بلند مرتبے کا پوری طرح اندازہ ہو جائے گا، مزید تفصیلات سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ آپ میں انسانی خوبیاں اتنی زیادہ تھیں کہ آپ پر انسانیت جتنا ناز کرے کم ہے۔ نوّر اللہ مرقدہٗ و مضجعہٗ

خطباتِ حقانی (حصہ اوّل)
افادات: مولانا عبدالقیوم حقانی
پیش لفظ: شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید
صفحات ۱۲۸ — قیمت ۱۸ روپے
توحید، رسالت، دعوت و تبلیغ، زہد و قناعت، وجود ربِ کائنات، فتنۂ انکارِ خدا، سرمایہ داری اور اشتراکیت، جہادِ افغانستان، کمیونسٹوں کے بے پناہ مظالم، کمیونزم کی جہالت، تاریخ، دو کردار اور دو ٹھکانے، اور دیگر کئی ایک اہم عنوانات پر مؤثر خطبات اور دل انگیز تقاریر کا مجموعہ، سب کے لیے فکر و مطالعہ، غور و تدبر کا سامان، نیک اعمال اور اصلاحِ انقلاب آخرت کی پرخلوص دعوت۔
مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ — اکوڑہ خٹک — پشاور

Adarts CAR-4 88

مولانا سید سلیمان ندوی کی تحریر سے اقتباس

ارضِ حرم

سیاست بازی کا اکھاڑہ نہیں!

ارضِ حرم کی دینی حیثیت، اس کی حرمت، اس کی تقدیس اور اس تقدیس کے قیام کی اہمیت سے متعلق ہم تمام مسلمانانِ عالم کے سامنے ایک قابلِ استناد تحریر پیش کر رہے ہیں کیونکہ ضرورتِ وقت اس کی شدت سے متقاضی ہے۔ یہ تحریر محقق عالم، مسلم مورخ اور گہری سیاسی بصیرت کے حامل حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جن کا مرکزِ اسلام حجاز کی سیاست سے گہرا علمی تعلق رہا تھا۔ ۱۹۲۴ء میں ابن سعود اور شریف حسین میں جنگ چھڑی اور دونوں نے ہندوستان کی مجلس خلافت کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس ہندوستان سے جو وفد حجاز روانہ ہوا اس کے رئیس و قائد حضرت علامہ ممدوح ہی تھے۔ پھر ۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود نے موتمر عالم اسلامی طلب کی تھی اس میں شرکت کے لئے ہندوستان سے جو وفد بشمول مولانا محمد علی جوہر بھیجا گیا اس وفد کے رئیس و قائد بھی حضرت علامہ ہی تھے اور اس مؤتمر کی جو مرکزی مجلس تشکیل پائی اس کے صدر خود سید شریف الدین عدنان بنائے گئے۔ اور اس کے دو نائبین صدر منتخب ہوئے ایک حضرت علامہ اور دوسرے مفتی اعظم فلسطین امین الحسینی (رحمہما اللہ) تھے۔

غرض حضرت علامہ جیسے صاحب نظر کی جو تحریر پیش کی جا رہی ہے اس کا لفظ لفظ غور سے پڑھنے اور اس کی روح تک پہنچنے کا طالب ہے۔ علامہ نے نومبر و دسمبر ۱۹۲۳ء کے معارف (اعظم گڈھ) کے شماروں میں "ارض حرم اور اس کے مصالح و احکام" کے زیرِ عنوان ایک بصیرت افروز اور پُرقوت مضمون تحریر فرمایا تھا۔ پیش نظر تحریر اسی کا اقتباس ہے جسے عنوان دے کر شائع کیا جا رہا ہے۔

وقت کا تقاضہ ہے کہ جو طاقت بھی ارض حرم کے مامنِ مقدس کی حرمت کو پامال کر کے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کی جرأت کر رہی ہے اس کے عزائم کو خاک میں ملا کر ناموسِ حرم کی پاسبانی کا حق ادا کرنے کے لئے۔

۱۔ صوفیائے عظام اپنی ہمتیں "وقف فرما دیں۔

۲۔ عالم اسلام کے اہلِ تدبیر چستی سے کوشش کریں کہ ناپاک عزائم اسی حد تک ختم کر دیے جائیں اور اس

میں انہیں کامیابی نہ ہو۔ پھر حرم پاک کے تقدس کی حفاظت کے لئے جان و مال کی بازی لگا دیں۔

۳۔ عالم اسلام کی صحافی برادری ایک مرکزی سیل (cell) خاص اس غرض کے لئے بلا تاخیر پروپیگنڈے کی ساری طاقت تائید حرم اور مخالفت گستاخانِ حرم میں صرف کرے

۴۔ تمام وہ ممالک جو مسلم ممالک کہلاتے ہیں اپنی سیاسی حکمت عملیوں پر قائم رہتے ہوئے ارضِ پاک حرم کے تقدس کے تحفظ کے مسئلہ میں متفق و متحد ہو جائیں اور حکومت سعودیہ کی اخلاقی اور عملی بھرپور تائید کریں تاکہ وہ ارض حرم کو زیر نقاب صیہونی سازش سے پاک رکھ سکے۔

۵۔ ہر مسلمان مرد و زن، پیر و جوان حرمین شریفین کی حرمت و عظمت کی بقا کے لئے خود سے جتنا بن پڑے کوشش کرے اور بارگاہِ الوہیت میں گڑگڑا کر دعا کرے۔

یا اللہ تیری کبریائی۔ تیری عظمت اور تیرے جلال و جبروت کا واسطہ، تو اپنے حرم پاک اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم مبارک کی حفاظت فرما اور سب مسلمانانِ عالم کو توفیق عطا فرما کہ وہ پاسبانی حرمین شریفین کا حق ادا کر سکیں۔ آمین

الداعیان

الحاج حافظ فرید الدین احمد الوہیبہ	غلام محمد خادم خاص حضرت اقدس
صدر سنٹرل حج پلگرمس لیگ آف پاکستان	علامہ سید سلیمان ندوی

ارض حرم سیاست بازی کا اکھاڑہ نہیں ارض حرم اسلام کا دینی اور مذہبی مرکز ہے۔ اس کا گوشہ گوشہ اسلام کا معبد اور مسلمانوں کا مشہد ہے۔ ارض حرم جس دن ارض حرم بنی۔ اسی دن اس کی یہ خصوصیت عیاں کر دی گئی کہ وہ صرف رکوع اور سجود کا آستانہ اور اعتکاف و طواف کا مقام ہے۔ اور انہی بندگان حق کا مسکن ہے جن کی زندگیاں راہِ خدا پرستی میں وقف ہیں۔ اور حیاتِ ابدی کے طالب اور جویاں ہیں۔ خانہ حرم کے معماروں کو جب وہ اس کی تعمیر سے فارغ ہو چکے اس کے مالک کا حکم پہنچا

ان طہرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود۔	تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں رکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے پاک کرو۔

(بقرہ۔ ۱۳۵)

معلوم ہوا کہ ارض حرم کی تعمیر کا خاص مقصد یہ ہے کہ توحید کے پرستاروں کا یہ وہ مقام ہو۔ جہاں خدائے واحد کی پرستش کے سوا کوئی عمل مطلوب نہ ہو۔ اس کے سوا دنیا کے جتنے کام ہیں وہ اس کی پاکی اور طہارت کے منافی ہیں۔

اس کی طہارت اور پاکی، اس کی عظمت اور تقدس صرف اسی میں ہے کہ وہ عبادت الٰہی کا مرکز، توحید پرستی کا معبد رکوع اور سجود کی چوکھٹ اور اعتکاف وطواف کی خانقاہ ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے نام پر جب اس گھر کو بنایا اور اس کی پاسبانی کے لئے اپنی سب سے پیاری اور عزیز اولاد حضرت اسماعیلؑ کو قربان کیا تو ساتھ ہی مقصد الٰہی کے مطابق اپنی غرض بھی ظاہر کر دی۔

و اذ قال ابراھیم رب اجعل ھٰذا البلد امنا و اجنبنی و بنیّ ان نعبد الاصنام رب انھن اضللن کثیرًا من الناس فمن تبعنی فانہ منی و من عصانی فانک غفور رحیم۔ ربنا انی اسکنت من ذریتی بوادٍ غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ (ابراھیم ۳۵)	اور جب ابراہیم نے کہا میرے پروردگار اس شہر کو امن دینے والا بنا اور مجھے اور میری نسل کو اس سے بچا کہ ہم بتوں کو پوجیں، میرے پروردگار ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے تو جو میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بخشنے والا مہربان ہے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو تیرے مقدس گھر کے پاس بن کھیتی کے میدان میں اس لئے لاکر بسایا ہے۔ ہمارے پروردگار تاکہ وہ نماز کھڑی کیا کریں (یعنی تیری عبادت کریں)

اس شہر کے سب سے پہلے آباد کار نے یہ ظاہر کر دیا کہ اس کی بنا صرف توحید پرستی کے لئے ہے یہ باطل پرستوں کا کبھی گہوارہ نہ بنے۔ اس مقدس گھر کے سایہ میں جو لوگ بھی آباد ہوں ان کی سکونت کی غرض یہی ہونی چاہئے کہ وہ اقامت صلوٰۃ یعنی عبادت الٰہی کے لئے اپنی حیات کو قربان کر دیں۔ وہ ناپاک سازشوں اور چالبازیوں، دنیا وی سیاستوں اور ملعون ہوسناکیوں، تخت و تاج اور باج وخراج۔ فوج وعسکر اور تیغ وخنجر کی جگہ نہیں۔ وہ صرف ایک ہی بادشاہ کا دار السلطنت اور ایک ہی سپہ سالار کا لشکر گاہ ہے۔ وہاں کا تاجدار صرف خدائے قدوس ہے۔ اور وہاں کا سربرآرا صرف رب دو عالم ہے۔ وہ انسانی بادشاہیوں اور خوں ریزیوں کی سرزمین نہیں۔ وہ قدوسیوں کا مسکن، حق جویوں کا مامن اور سچے فرزندان ابراہیم کا وطن ہے۔

اور یہ بھی ذہن نشین رہے، کہ ابراہیمؑ کے اصلی جانشین وہ نہیں جو صرف صلبی اور نسبی حیثیت سے ابراہیم کی جسمانی اولاد ہیں بلکہ وہ ہیں جو ابراہیم کی پیروی اور اطاعت کر کے ان کی معنوی اور روحانی اولاد بننے کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے صاف کہہ دیا۔

فمن تبعنی فانہ منی (ابراہیم ۳۶) جو میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے

وہ دارالامن ہے | آدم کی اولاد فرشتوں کے طعنوں کے باوجود، اپنی سفاکیوں اور خون ریزیوں سے خدا کی زمین کو نجس اور ناپاک کرتی رہتی ہے۔ خدا نے سطح ارضی کے ایک گوشہ کو اپنا نشیمن بنایا اور اس کو اپنا گھر کہہ کر پکارا۔ کہ وہ اس خون سے لتھڑی ہوئی دنیا کا ایک ایسا ٹکڑہ ہو جو انسانی ظلم و ستم سے محفوظ اور سفاکانہ خوں ریزیوں سے پاک ہو جہاں انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اس کے دامن عصمت کا داغ ہو سطح ارضی کا یہ گوشہ سرزمین حرم ہے۔ جہاں مجرم سے مجرم انسان کا خون گرانا ممنوع۔ جہاں حلال سے حلال جانور کا شکار بھی گناہ۔ جہاں شاخوں اور درختوں کا کاٹنا حرام۔ اور جہاں سبزہ اور روئیدگی کو چھیلنا بھی جرم ہے۔ وہ صرف امن و امان کا وطن اور سکون و سلام کا مسکن ہے۔ ہر ذی روح و غیر ذی روح اس کے سایہ میں مامون اور محفوظ ہے۔

حضرت ابراہیم نے دعا کی۔

رب اجعل ھذا بلداً امناً (بقرہ ۱۲۶) میرے پروردگار اس شہر کو امن دینے والا بنا۔

لبوں کی جنبش سے پہلے یہ دعا بارگاہ الٰہی میں قبول و استجابت سے مشرف ہو چکی تھی۔ کہ دم تکوین اس کے ناصیۂ تقدیر میں یہ شرف مقدر ہو چکا تھا۔

و اذ جعلنا البیت مثابۃ للناس و امنا (بقرہ ۱۲۵)	اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا مرجع اور مامن بنایا۔

خدائے عزیز نے اس شہر کے امن و امان کی قسم کھائی۔

والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین (تین)	قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طور سینا کی اور اس امن والے شہر کی۔

قریش پر اپنا یہ احسان ظاہر فرمایا۔

فلیعبدوا رب ھذا البیت الذی اطعمھم من جوع و اٰمنھم من خوف۔ (ایلاف)	تو چاہیے کہ وہ اس گھر کے مالک کو پوجیں جس نے ان کو اس خشک اور بنجر زمین میں، بھوک سے بچا کر کھانا دیا اور خوف سے محفوظ رکھ کر ان کو امن بخشا۔
اولم یروا انا جعلنا حرماً اٰمنا و یتخطف الناس من حولھم (عنکبوت ۶۷)	کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے امن والا حرم بنایا حالاں کہ اس کے آس پاس کی بدامنی کا یہ حال ہے کہ لوگ اچک لئے جاتے ہیں۔

اس کے دار الامن بنانے کے لیے بارگاہِ خداوندی سے یہ منشور جاری ہوا۔

من دخله کان اٰمناً　　جس نے اس کے اندر قدم رکھ دیا وہ مامون ہوگیا۔ (آل عمران ۹۷)

اس نکتہ پر غور کرو کہ مدینہ آنے کے چند سال بعد اسلام اس قدر طاقت ور ہوگیا تھا کہ وہ جب چاہتا تلواروں کے سایہ میں ارض حرم میں داخل ہو جاتا۔ مہاجرین کے قلوب اپنے وطن کے دیدار کے لئے بیقرار تھے۔ انصار کی تلواریں ساکنان حرم (قریش) سے انتقام کے لئے بے چین تھے۔ لیکن ان حالات کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ پاک میں ان سب سے بالاتر ایک حقیقت تھی۔ اور وہ یہ کہ وہ دار الامن ہے۔ تلواروں کی دھاروں، نیزوں کی انیوں اور تیروں کے پیکانوں سے اس سرزمین کے "جسم اقدس" کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔ وہ قتل وغنیمت اور خون ریزی سے گو وہ حق کے لئے ہو مغلوب نہیں کیا جا سکتا۔ وہ امن و صلح کا گھر ہے اور وہ صرف امن و صلح ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ آپ پرجوش مسلمانوں کے جذبات کے خلاف صلح حدیبیہ میں دب کر صلح فرماتے ہیں اور فوجوں کی فاتح تلواروں کو اس کے حدود کے اندر فاتحانہ داخلہ کی اجازت نہیں دیتے اور فرماتے ہیں قریش جو بات بھی ایسی پیش کریں گے جس میں خانہ الٰہی کی حرمت ہوگی میں قبول کروں گا۔

دوسرے سال سینکڑوں مسلمانوں کے جلو میں اس طرح ادائے عمرہ کے لئے مکہ میں داخل ہوتے ہیں کہ انسانی قتل و خون ریزی کے تمام اسلحہ مکہ سے باہر چھوڑ دئے جاتے ہیں۔ ۸ ہجری میں جب مکہ فتح ہوتا ہے۔ دس ہزار مجاہدین کے دشتے قدوسیوں کے پیکر میں قسم قسم کے بیرقوں اور نشانوں کے سایہ میں دم بدم شہر سے قریب ہوتے جاتے ہیں۔ انصار کی تلواریں انتقام کے جوش میں بار بار نیام سے باہر ہو رہی ہیں۔ ان کے علمبردار عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان پر یہ ترانہ ہے۔

الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الکعبۃ　　آج گھمسان کا دن ہے آج کعبہ خون ریزی کے لئے حلال کر دیا جائے گا۔

حضورؐ کے سمع اقدس تک یہ آواز پہنچتی ہے حکم ہوتا ہے۔ عبادہ نے غلط کہا آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور اس قصور میں فوج کا علم عبادہؓ سے لے کر ان کے بیٹے کو دے دیا۔ آگے بڑھے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک میں تلواروں کی چمک نمایاں ہوئی۔ معلوم ہوا کہ سیف اللہ خالدؓ کی تلوار نیام سے نکل آئی ہے۔ ان سے باز پرس کی گئی تو معلوم ہوا کہ قریش کے ایک دستہ نے تیروں کی بارش سے دو مسلمانوں کو جام شہادت پلا دیا۔ آپؐ نے سن کر فرمایا کہ "قضائے الٰہی یہی تھی" بعض شدید مجرموں نے حرم کی سرزمین میں جا کر پناہ لی حکم ہوا کہ وہ جہاں بھی ہوں قتل کئے جائیں گے۔ یہی وہ ساعت تھی جس میں فرزند اسماعیل اور جانشین ابراہیم کے لئے سرزمین

حرم میں قتل جائز قرار دیا گیا۔

لا اقسم بهذا البلد و انت حل بهذا البلد (بلد ۱)

نہیں۔ اس شہر کی قسم کھاتا ہوں اور اے پیغمبر تو اس شہر میں حلال ہے۔

قرآن مجید نے اس حلت کی حد کی تعیین بھی کر دی۔

فلا تقاتلوهم عند المسجد الحرام حتى يقاتلوكم فيه فان قاتلوكم فاقتلوهم (بقرہ ۱۹۱)

تو قریش سے حرمت والی مسجد کے پاس نہ لڑو۔ یہاں تک کہ وہ تم سے اس میں نہ لڑیں تو اگر وہ تم وہاں قتل کرنا چاہیں تو تم ان کو بھی قتل کر دو۔

عین اس وقت جب آپ کے لئے اس سندِ جواز پر عمل کا وقت تھا، فرمایا

و انه لم يحل القتال فيه لاحد قبلي و لم يحل لي الا ساعة من نهار فهو حرام بحرمة الله الى يوم القيامة (حديث)

مجھ سے پہلے کسی کے لئے اس زمین میں لڑنا حلال نہیں ہوا۔ اور میرے لئے بھی حلال نہیں ہوا لیکن ایک گھڑی دن کے لئے تو اب وہ خدا کو محترم بنانے سے قیامت تک کے لئے محترم ہے۔

اب ان گنہگار انسانوں کے حق میں کیا فیصلہ ہے جنہوں نے مسجد حرام کے امن و امان کو ہر قسم کے آلاتِ قتل سے زخمی اور مجروح کیا۔ اور معصوم سرزمین کو انواع و اقسام کے قتل و خون ریزی سے ناپاک و نجس کیا۔

یہاں ظالم سزایاب ہوگا ارض حرم کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ جو شخص اس کے امن و امان صلح و سلام کے خرمن میں آگ لگائے گا وہ اس میں خاک ہو جائے گا۔ اور جو مغرور اس کی حدود میں ظلم و ستم گاری کو آشکارا کرے گا۔ وہ خود دوسروں کے ظلم و ستم گاری کا نشانہ بن جائے گا۔ گھر کے مالک کا اعلان عام ہوگا۔

و من يرد فيه بالحاد بظلم نذقه من عذاب اليم (الحج ۲۵)

اور جو اس میں منحرف ہو کر ظلم کا ارادہ کرے گا ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے۔

ہمارے سامنے تاریخ کی زبانِ حال اس پیشین گوئی کی شہادت تصدیق کے لئے کافی ہے۔ جب کبھی لوگوں نے اس سرزمین کو اپنے دنیاوی جاہ و جلال کا مرکز بنانا چاہا اور اس کے امن و امان کی بارگاہ کو خطرہ میں ڈالا۔ خواہ وہ باہر کے حملہ آور ہوں یا اندر کے مدعی ہوں۔ اصحاب فیل کا جو حشر ہوا۔ یزید اور اس کے خاندان کا چند سال میں استیصال ہو گیا۔ حضرت ابن زبیرؓ کو ناکامی ہوئی۔ مدینہ منورہ بھی حرم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ:

"جس طرح ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا، میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں"

(باقی صـ۴۹)